

"فخر ہوتا ہے قبیلے کا سدا ایک ہی شخص"

کوئی بھی بڑی شخصیت بجا طور پر اپنے خاندان، قبیلے یا جماعت کیلئے قابل فخر ہوتی ہے۔ یہ فریقیناً اس شخصیت کے قابل تقلید کردار و عمل، فکر و نظر اور فہم و تدبیر کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ ایسی مثالیں بہت کم ہوتی ہیں کہ کسی بڑے شخص کی اولاد بھی اس کی صحیح جانشینی کا حق ادا کرے۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ اپنے خاندان میں واحد فرد تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں میں بہت ممتاز کر دیا تھا۔ انہیں اتنی شہرت اور عزت عطا کی کہ کئی پشتوں میں اسکی مثال ناپید ہے۔ پورا برصغیر ان کی شخصیت کے سحر کا اسیر تھا۔ لاکھوں انسانوں کو ان کے وجود سے ہدایت ملی اور لاکھوں دل ان کی محبت میں دھڑکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطاء کیا تو ایسا کہ جس نے اپنے علم و عمل اور ایثار و کردار سے اپنے خاندان اور اسلاف کا نام روشن کر دکھایا۔ ایسا بیٹا کہ جس پر ماں باپ اور اساتذہ فخر کرتے اور ان کی علمی صلاحیتوں پر رشک کرتے۔ وہ قبیلہ احرار کے منفرد شخص تھے۔

ہمارے مشفق و مرنی حضرت مولانا سید ابوزر بخاری رحمہ اللہ صمیم معنوں میں اپنے عظیم والدین اور اساتذہ کے جانشین تھے۔ وہ ایسے خوش نصیب انسان تھے کہ ان کے علم و حافظہ پر ان کے عظیم باپ اور اساتذہ بھی ناز کرتے تھے۔ وہ اپنے کردار و عمل میں اسلاف کی تصویر تھے۔ وہ فکر احرار کے بچے و ارث و امین تھے۔ انہوں نے ایک بھر پور زندگی گزاری اور حیات مستعار کو تبلیغ دین کے لئے وقف کئے رکھا۔ حضرت شاہ جی، ۱۳ ستمبر ۱۹۳۶ء کو امرتسر کے محلہ کڑہہ مانگھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ والدہ ماجدہ سے تعلیم قرآن کریم کا آغاز کیا اور پھر اپنے وقت کے جید قاری و عالم حضرت قاری کریم بخش رحمہ اللہ سے قرآن کریم حفظ کیا۔

وہ اپنے احوال کے متعلق اکثر فرمایا کرتے:

"حفظ قرآن کریم مکمل کرنے کے بعد اماں جی میری تعلیم کے متعلق بہت متفکر تھیں۔ ابا جی اپنے دینی و قومی اور سیاسی مشاغل میں اس قدر مصروف کہ مہینوں گھر نہ آتے اور ایسا بھی ہوتا کہ وہ کسی جگہ پر تقریر سے فارغ ہوئے تو گرفتار ہو گئے۔ مقدمہ چلا، سزا ہوئی اور وہ قید کاٹ کر رہا ہوئے تو گھر آئے۔ ان حالات میں میرا فارغ رہنا اماں جی کیلئے بہت ہی فکر کی بات تھی۔ ابا جی کی زندگی تو انگریز کے خلاف جہاد کیلئے وقف تھی۔ ریل اور جیل ان کی زندگی کا حصہ بن گئے تھے۔ سفر اور مسلسل سفر، تقریریں اور پھر جیل..... گھر میں اماں جی اور میرے حقیقی اور اکھوتے ماموں سید عبدالحمید شاہ بخاری رحمہ اللہ میری نگرانی کرتے۔ میری تربیت میں ان دو شخصیتوں نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔

ابا جی حسب معمول سفر سے واپس آئے تو اماں جی نے انہیں میری تعلیم کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ وہ مجھے ساتھ لیکر دارالعلوم امروہہ چلے گئے۔ اسی موقع پر مولانا عبدالحق صاحب دہلوی نے حلیہ احمد مدنی اور دیگر اکابر

رحمہم اللہ کی زیارت و ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا۔ مجھے یاد ہے کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے دسترخوان پر ہم سب اکٹھے تھے۔ مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ بہت پر جوش اور انقلابی مزاج کی شخصیت تھے۔ وہ ملک کے سیاسی معاملات میں بعض علماء کی خاموشی اور حکمت عملی کے سنت خلاف تھے اور ان کے اس رویے کے خلاف برس رہے تھے۔ ان کا ایک جملہ آج بھی کانوں میں گونج رہا ہے۔ مولانا حسین احمد مدنی سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے:

”حسین احمد، میرا جی چاہتا ہے میں ان مولویوں کو بم سے اڑا دوں“

وہ دیوانوں کی طرح یہ جملہ بار بار دہرا رہے تھے اور حضرت مدنی نہایت حلم و بردباری سے مولانا سندھی کی باتیں سن رہے تھے کہ یہ باتیں محض اخلاص اور لہجیت پر مبنی تھیں۔ عبید اللہ سندھی کا سچا درد اور دینی انقلاب برپا کرنے کی تڑپ تھی۔ حضرت مدنی جواباً سر ہلاتے اور فرماتے:

”جی حضرت، آپ سچ فرما رہے ہیں ان کا یہی علاج ہے“

ابا جی کو حضرات اکابر میں مصروف پاکر میں دارالعلوم کے قبرستان میں پہنچ گیا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ، علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اور دیگر اکابر کے مزارات پر حاضری ہو کر دعاء مغفرت کی اور پھر اپنے خاندان اور اپنی جماعت مجلس احرار اسلام کے مفسر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ کی قبر کے پاس بیٹھ گیا۔ زیادہ دیر ہوئی تو میری تلاش شروع ہو گئی۔ اور مستلشی مجھ تک پہنچ گئے۔ میں واپس آیا تو ابا جی نے پوچھا، بیٹا کہاں چلے گئے تھے؟ عرض کیا، آپ کے حضرت انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ طبیعت اسی مانوس ہوئی کہ حضرت شاہ صاحب سے جدا ہونے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ حضرت شاہ صاحب فرما رہے ہیں ”بیٹا میرے پاس بیٹھے رہو“ میں ان کی قبر کے پاس بیٹھ کر بہت دیر رو تا رہا اور ان کی جدائی کے احساس میں ڈوب گیا۔ ابا جی بہت خوش ہوئے، مجھے دعاء دی۔ اللہ تمہیں انور شاہ کی گدی پر بٹھائے“

دیوبند سے سہارنپور پہنچے، مظاہر العلوم دیکھا، ابا جی نے پوچھا، بیٹا کس مدرسہ میں پڑھو گے؟ عرض کیا دیوبند اور سہارنپور میں تو طبیعت آمادہ نہیں ہو رہی۔ وہاں سے جالندھر پہنچے اور حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کے مدرسہ خیر المدارس میں حاضر ہوئے۔ میں نے ابا جی سے کہا۔ میں اس مدرسہ میں پڑھوں گا۔ ابا جی نے حضرت مولانا خیر محمد کو میری اس خواہش سے مطلع کیا تو وہ فرمانے لگے ”الحمد للہ، ہماری آرزو پوری ہو گئی۔“ انہوں نے بتایا کہ ”میں اور میری اہلیہ دونوں ایک عرصہ یہ دعاء کرتے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں شاہ جی کے بیٹے کو دین پڑھانے کی توفیق دے۔ اے اللہ، شاہ جی کا یہ بیٹا ہمیں دے دے۔ آج ہماری دعاء قبول ہو گئی ہے۔“

غالباً ۱۹۳۰ء میں آپ مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں داخل ہوئے۔ تعلیم کے آخری سال تقسیم ملک کا معاملہ پیش آگیا۔ چنانچہ ان کا ایک تعلیمی سال صانع ہو گیا۔ ۱۹۳۸ء میں خیر المدارس پٹان میں منتقل ہوا تو وہ سند فراغ حاصل کر کے

©,rasallojaraid.com

اصلاح ہوئی۔ ۱۹۶۲ء میں سیاسی جماعتوں سے پابند باں ختم ہوئیں تو مجلس احرار اسلام کی تنظیم نو کے لئے متحرک ہو گئے اس وقت شیخ حسام الدین رحمہ اللہ احرار کے قائد تھے۔ انہی کی قیادت میں بقاء احرار کے لئے سرگرم ہوئے اور اپنی تمام توانائیاں صرف کر دیں۔ تب آپ مجلس احرار اسلام کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۸ء میں آپ نے جماعت کا منشور اور دستور لکھا جو ان کی علمی صلاحیتوں کا شاہکار ہے۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں احرار کی روایات کے ساتھ قائدانہ کردار ادا کیا۔ ۱۹۷۵ء میں جماعت کے مرکزی امیر چن لئے گئے اور ۸۲ تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ ۲۶ فروری ۱۹۷۶ء کو دار الکفر والارتداد "زبہ" کی تاریخ میں پہلی بار اجتماع جمعہ منعقد کیا اور مسلمانوں کی پہلی مسجد، "جامع مسجد احرار" کا سنگ بنیاد رکھا۔ ۱۹۹۰ء میں فالج کا حملہ ہوا، اس کے بعد مسلسل مختلف عوارض کا شکار ہوتے رہے۔ ۱۹۹۴ء اور ۱۹۹۵ء میں بیماری نے شدت اختیار کر لی اور فالج کے تقریباً تین حملوں سے انہی صحت تباہ ہو گئی اور پھر وہ بستر علالت سے اٹھ نہ سکے۔ بالآخر ۱۲/۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۳/۲۴ اکتوبر ۱۹۹۵ء، مر اور مغل کی درمیانی شب دس بج کر چالیس منٹ پر تقریباً ستر برس کی عمر میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ واللہ وانا الیہ راجعون۔ ایک آفتاب علم افق کے اس پار چلا گیا جہاں سے لوٹ کر کبھی کوئی نہیں آیا۔ رحمہ اللہ۔ رحمتہ واسعہ۔

مولانا سید ابو معاویہ ابو ذر بخاری رحمہ اللہ۔ احرار کی منابع عزیز تھے۔ وہ ایک مفکر اور جید عالم دین تھے۔ شعر و ادب اور خطابت میں انہیں جو مقام و مرتبہ حاصل ہوا وہ اسمیں یکتا تھے۔ انہیں مجلس احرار اسلام سے لازوال محبت تھی۔ وہ مجلس احرار اسلام کو شہداء ختم نبوت کی وراثت اور نشانی سمجھتے تھے۔ ان کا عزم تھا کہ وہ اس چراغ کی لو کو کبھی مدھم نہ ہونے دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے دوستوں کی بے وفائیوں، ہم عصروں کی چیرہ دستیوں اور سازشوں کے علی الرغم احرار کا علم بلند رکھا۔

انہوں نے تصنیف و تالیف کے میدان میں اپنی خداداد صلاحیتوں کے جوہر دکھائے اور پچاس گے قریب تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ تاریخ، علم الانساب، ادب، لغت، سیرت رسول ﷺ اور سیرت ازواج و اصحاب رسول علیہم السلام ان کے خاص موضوعات تھے۔ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے پاکستان میں ۱۹۶۱ء میں یوم معاویہ کا جلسہ منعقد کیا اور اس کے لئے بعض نادان دوستوں اور دانادان دشمنوں کی شدید مزاحمت کے مقابلے میں کوہ استقامت بن گئے۔ پاکستان کی تاریخ میں وہ دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم کی تحریک کی پہلی، منظم اور طاقتور آواز تھے۔ وہ اپنے موقف کے اظہار کے لئے کبھی کسی سے مرعوب نہ ہوئے۔ جس بات کو حق سمجھا اسے بلا خوف تردید بیان کیا۔

جانشین امیر شریعت رحمہ اللہ کے ساتھ ارحال سے ملک کے دینی حلقوں کو سنت صمد پرستہ بنائے۔ خاص طور پر مجلس احرار اسلام کے کارکن اپنے فکری مسن و مرنی اور قائد کی شفقتوں سے ہمیشہ کے لئے محروم نہ ہو گئے ہیں۔ اب ہمارے کان ان کی صدائے حق سننے کے لئے ہمیشہ رہتے رہیں گے۔ احرار کارکن شاہ جی کی جدائی کے غم سے نڈھال ضرور ہیں مگر ان کا یہ عزم مصمم ہے کہ وہ شاہ جی کے روشن کئے ہوئے چراغ کو گل نہ ہونے دیں گے۔